© rasailojaraid.com

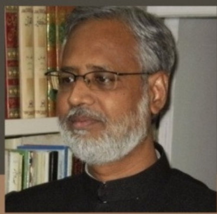

خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج
ڈین کلیہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی

خلع کا حکم قرآن مجید کی جس آیت سے اخذ کیا جاتا ھے' وہ یہ ھے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَاللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔(البقرۃ: ۲۲۹)

"پس اگر تم لوگوں کو اندیشہ ھو کہ وہ دونوں (میاں بیوی) حدودِ خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس مال کے لینے دینے میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں جو بیوی میاں کو دے کر اپنی جان چھڑالے"۔

اس فقرہ میں'' فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا'' کے الفاظ کا تعلق متصل الفاظ سے ہے یعنی ''فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔'' سے، مگر لوگوں نے اسے خلع سے جوڑ دیا ہے حالانہ نفس خلع اور چیز ہے اور زرِ فدیہ اور۔ لوگ اس مقام پر خلطِ مبحث کا شکار ہو گئے ہیں اسی لیے انہوں نے زرِ فدیہ کو خلع کے لیے بطور شرط کے سمجھ لیا ہے حالانکہ ''جناح'' کا لفظ کسی طرح بھی شرط نہیں بنتا۔ یہ لفظ مضائقہ، حرج یا پھر گناہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پطرس بستانی نے محیط المحیط میں اسے گناہ کا معرب قرار دیا ہے۔

مختصر یہ کہ خلع مالِ فدیہ کے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور زرِ فدیہ کے ساتھ بھی لیکن اولیٰ مال فدیہ کے بغیر ہی ہے۔ امام کاسانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں خلع کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک خلع بلابدل اور دوسری بالبدل۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں اگر شوہر نے خلع بلابدل کی صورت میں لفظ خلع سے طلاق کی نیت کی ہو تو بلا کسی بدل کے طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ خلع بالبدل کی صورت میں بغیر بدل کے خلع نہ ہوگا۔(۱)

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ ''فلا جناح علیھما'' کی ترکیب، مضائقہ و حرج کے مفہوم کے موقوف کیے جانے پر ہی دلالت کرتی ہے، شرط کے مفہوم پر نہیں۔ زوجین کے مابین تفریق کا سبب اور تحریک اگر مرد کی جانب سے واقع ہو تو اصلاً شوہر پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی سے کچھ بھی واپس نہ لے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ۔ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا۔(النساء:۲۰)

ترجمہ: ''اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو''۔

لیکن اگر تفریق کا باعث عورت بن رہی ہو تو اس صورت میں شوہر اپنی بیوی سے اپنا دیا ہوا مال و منال یا اس میں سے کچھ واپس لے سکتا ے۔ جیسا کہ (البقرہ: ۲۲۹) میں مذکور ہوا۔ قاضی ابن رشد مالکی اندلسی لکھتے ہیں:

> ''خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے۔ چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے''۔(۲)

ہمارے نزدیک خلع کا عمل میاں بیوی کے مابین گھر کے اندر بھی خوش اسلوبی سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے عدالت جانا شرط ہے اور نہ ضروری۔ گو اکثر لوگ اس شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو عورت اس وقت عدالت جاتی ہے جب اسے اس کی مرضی کے خلاف یعنی زبردستی شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور جب کوئی عورت عدالت چلی جاتی ہے تو اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے شوہر سے علیحدہ ہونے میں انتہائی سنجیدہ ہوگئی ہے۔ وگرنہ ایک مسلمان عورت اپنا بنا بنایا گھر چھوڑ کر عدالت کا رخ کیوں کرے گی؟ عدالت کو چونکہ قرآن کی رو سے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ نفس مسئلہ کو سنے، فریق ثانی کو طلب کرے اور ایک گو نہ اطمینان کے بعد ضروری کارروائی فیصلہ کی صورت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نافذ کردے۔ چنانچہ وہ فیصلہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے طلاق بالخلع کی صورت میں اور شوہر کے انکار پر فسخ نکاح کی صورت میں نافذ العمل ہوسکتا ہے، مگر یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہے جب شوہر بھی عدالت کے روبرو ہو اور اس کی بیوی بھی۔ اگر شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو اور نہ ہی حاضری کو پسند کرتا ہو تو اس کے اس غیر سنجیدہ رویے پر ہمارے نزدیک عدالت کو فسخِ نکاح کا اختیار بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جب قاضی غائب کے حق میں یا غائب
کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے اور اس
کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ العمل
ہوگا کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے''۔(۳)

بلکہ ایسے شوہر کے لیے الگ سے کوئی سزا بھی تجویز کی جاسکتی ہے تاکہ عدالتی تقدس پامال نہ ہو۔ جس معاشرے میں عدالتوں کی ضرورت و اہمیت کا لوگوں کو احساس نہ ہو، وہاں بدنظمی، لاقانونیت اور ابتری کا راج ہوتا ہے۔ عدالتوں کے مبنی بر دلائل صائب فیصلوں کو تسلیم نہ کرنا یا اس کے برخلاف فتویٰ جاری کرنا ہماری ناقص رائے میں توہین عدالت کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ عدالتوں کا اختیار سماعت اور قضائے قاضی نہ صرف معاشرے کی ضرورت ہے بلکہ اس کا قیام بھی شریعت کے اقتضاء میں سے ہے۔ خلع کے لیے ہرگز ضروری نہیں کہ جب عورت عدالت میں مرافعہ کرے تو شوہر کے خلاف وہ تمام باتیں بھی بیان کرے جن کی بنیاد پر وہ علیحدگی چاہتی ہے کیونکہ زوجین کے مابین بعض امور قابل بیان اور بعض ناقابل بیان ہوتے ہیں اور شریعت اسلامیہ ناگفتی امور کی پردہ دری نہیں چاہتی۔ اس لیے قاضی عدالت ناپسندیدگی کی وجوہ جاننے میں کھوج کرید بالکل نہ کرے بلکہ محصنہ کا عدالت میں آجانا ہی اس امر کے لیے کافی سمجھے۔

ع عقل مند را اشارہ کافی است

جو لوگ اس مسئلے میں کھوج کرید اور تفتیش و تحقیق کے قائل ہیں، انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل سے سبق لینا چاہیے جو اسی طرح کے ایک معاملہ میں آپ نے اختیار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت خلع کے لیے جب درخواست گزار ہوئی تو آپ نے عورت کو اولاً شوہر کے پاس واپس جانے کا مشورہ دیا مگر اس نے قبول نہ کیا تو آپ نے اسے ایک ایسی جگہ پر بند کروا دیا جہاں سخت بدبو اور تعفن کی فضا تھی۔ تین دن محبوس رکھنے کے بعد آپ نے اسے پھر وہی مشورہ دیا۔ تب اس نے کہا۔ ''واللہ مجھے انہی تین دنوں میں راحت نصیب ہوئی ہے جو میں نے شوہر کے بغیر گزارے ہیں''۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلع کی ضرورت کو سمجھ گئے۔ اس لیے آپ نے وجوہِ خلع کو جاننے کی کوشش نہیں فرمائی، کیونکہ اس جملے میں شکایات اور شوہر کے ظلم کا ایک جہان آباد تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے شوہر کو بلوایا اور اسے خلع کا حکم دے دیا۔ (۴)

دراصل مقصود نکاح کے فوت ہوجانے پر علیحدگی کا حکم جہاں عورت کے آزادانہ حق انتخاب کو تسلیم کرنا ہے وہیں سماج کو ازدواجی زندگی کی خوشگواریوں سے مالامال کرنے کا عمل بھی ہے۔ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قاضی عدالت بجائے تفتیش کے اگر کوئی ایسی صورت اختیار کرنا چاہے کہ جس سے اسے اک گونہ اطمینان حاصل ہوجائے کہ عورت اپنے مطالبہ خلع میں حق بجانب ہے تو وہ ایسی یا اس جیسی کوئی اور صورت اختیار کرسکتا ہے تاہم کھوج کرید یا جرح وغیرہ بالکل نہیں کرسکتا تاکہ عورت اور مرد کے مابین رازداری کے تعلقات کا افشاء نہ ہو اور معاشرے میں کسی کا تماشا نہ بنے۔ اس طرح عورت کی فطری شرم وحیاء کا بھی لحاظ رہے گا۔ مگر افسوس کہ ہمارا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔ بعض مقدمات میں طرفین ایک دوسرے کو یا کوئی ایک فریق دوسرے کو عدالتی جرح کے نتیجے میں برہنہ کیے بغیر نہیں رہتا۔

ہمارے نزدیک نہ تو کسی مفتی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کے مطالبہ خلع پر شرعی شہادتوں کے نام پر طرفین کے خفیہ معاملات وتعلقات کو بے حجاب کرے اور نہ عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے اطمینان کے لیے مردوعورت بالخصوص عورت پر ایسے سوالات کی بوچھاڑ کرے کہ جس کے نتیجے میں وہ دونوں یا کوئی ایک فریق ضرور برہنہ ہوجائے۔ اسی طرح ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم اپنے شوہر سے کیوں الگ ہونا چاہتی ہو؟ اس نے کہا، ''یا رسول اللہ ﷺ قیس کے دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا، بس وہ مجھے پسند نہیں ہے اور میں اسلام میں رہتے ہوئے کفر میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی''۔ (۵)

روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا عورت سے علیحدگی کا سبب جاننا بغرض رسم (اخلاق) معلوم ہوتا ہے نہ کہ بغرض تفتیش (قانون) وگرنہ رسول اللہ ﷺ اس کے جواب پر عدم اطمینان کا اظہار ضرور فرماتے یا اس کے جواب پر جرح فرماتے۔ اس واقعے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت جب بھی طالب خلع ہو تو قاضی کی نظر اصلاً وجوہ پر نہیں ہونی چاہیے بلکہ مقصد خلع پر ہونی چاہیے۔ خلع میں عورت کی ذاتی ناپسند بھی اتنی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کہ فقط اسی بنیاد پر علیحدگی جائز قرار دی جاسکتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر غلام تھا، جس کا نام مغیث تھا۔ (راوی کہتا ہے) گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی عورت کے پیچھے روتا ہوا پھر رہا ہے اور آنسو اس کی داڑھی پر گر رہے ہیں اس صورتحال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر نبیﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اے عباس! مغیث کو بریرہ سے جو محبت ہے اور بریرہ کو مغیث سے جو نفرت ہے اس پر تمہیں تعجب نہیں؟ پھر آنحضرتﷺ نے بریرہؓ سے فرمایا، کاش! تو اپنے شوہر کی طرف پلٹ جاتی۔ عرض کیا، یارسول اللہﷺ! کیا یہ حکم ہے؟ فرمایا نہیں، میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں، عرض کیا، پھر مجھے اپنے خاوند کی ضرورت نہیں ہے۔(٦) اس روایت نے نفس مسئلہ کو اور زیادہ صاف اور بے غبار کر دیا ہے۔

لفظ خلع کے استعمال پر ہمارے ہاں بڑا زور دیا جاتا ہے، اگر تو یہ لفظ اس مفہوم کے اظہار و ابلاغ کے لیے مستعمل ہو کہ علیحدگی شوہر کی طرف سے نہیں بلکہ عورت کی طرف سے ہوئی ہے تو بلاشبہ یہ ایک واضح اور فیصلہ کن اصطلاح ہے اور ہمیں اور ہماری عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع کی صورت میں یہی لفظ استعمال کریں تاکہ تمیز ہو سکے کہ شوہر نے عورت کو اپنی زندگی سے نہیں نکالا بلکہ عورت نے اپنے شوہر کو اپنی زندگی سے نکالا ہے۔ ہاں اگر فیصلہ کن عامل کے طور پر عدالتی فیصلے سے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہوئی ہے تو پھر ہمیں اور عدالت دونوں کو فسخ نکاح یا تنسیخ نکاح کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے تاکہ حقیقت نفس الامری صرف ایک لفظ سے ہی سمجھی جا سکے۔ مگر یہ حقیقت واضح رہے کہ خلع ہو یا فسخ نکاح یا پھر طلاق، تینوں کا حاصل ایک ہے اور وہ ہے تفریق زوجین۔

زوجین کے معاملات میں حکام/ عدالت کا کردار فیصلہ کن ہے جو قرآن کے الفاظ سے بالکل واضح ہے۔ میاں بیوی کے مابین شقاق کی صورت میں مصالحت کا طریقہ کار سورۃ النساء آیت ۳۵ میں بیان کیا ہوا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔

ترجمہ: ”اور اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے مابین شقاق باہمی کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک پنچ عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کر دو“۔

اس میں لفظ ”حکم“ کے معانی پر علماء وفقہاء دو رائے رکھتے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حکم کا لفظ وکیل یا نمائندہ کے معنی میں ہے اور دوسری رائے کے مطابق حکم کا لفظ فیصلہ کرنے والے (جج یا قاضی) کے معنی میں ہے۔ ثانی الذکر رائے کی روشنی میں ضروری ٹھہرتا ہے کہ حکمین کو شقاق باہمی کے سلسلے میں فیصلہ کن عامل (اتھارٹی) قرار دیا جائے۔ سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، شعبی، محمد بن سیرین اور بعض دوسرے حضرات نے یہی رائے اختیار کی ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ معاملہ شقاق اگر گھر میں طے نہ ہو سکے تو عدالت سے رجوع کرنا چاہیے اور عدالت کو چاہیے کہ وہ قرآن حکیم کے مطابق ایک حکم شوہر کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک حکم بیوی کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کر دے اور یہ عدالتی تقرر بجائے خود اس امر کی دلیل ہوگا کہ حکمین، زوجین کے درمیان حتمی اور قطعی فیصلہ کرنے کے مجاز کر دیئے گئے ہیں۔ یہ امر فابعثوا اور حکماً کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔

اس آیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ شقاق باہمی کے معاملات جو علیحدگی پر بھی منتج ہو سکتے ہیں اس کے لیے کسی بھی اسلامی معاشرے کے لیے بڑی عدالت دو ججوں پر مشتمل ایک خصوصی عدالت قائم کر سکتی ہے جو طرفین کے رشتہ داروں پر مشتمل ہو، اس تقرری میں ہمارے نزدیک دو خاندانوں کے رازوں کی حفاظت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مطلب یہ کہ شریعت اصولی طور پر یہ بات زیادہ پسند کرتی ہے کہ طرفین کے اختلافات اجنبی ماحول میں فیصل ہونے کی بجائے مانوس ماحول میں فیصل ہوں۔ گویا پردے اور راز کی باتیں صاحب معاملہ کے گھر والوں تک ہی محدود رہیں، عام نہ ہوں تاکہ معاشرے کی فضا مکدر نہ ہو۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے کہ ”کوئی معاملہ عدالت میں جانے کے بعد عدالت کی طرف سے کسی پنچایت کے حوالے کر دیا جائے اور عدالت پنچایت کو فیصلہ کرنے کا اختیار بھی تفویض کر دے“۔(٧)

اصلاحی صاحب کی تحریر کے مطابق اختیار تفویض کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمین تفویض اختیار کے بغیر فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ ہاں تفویض کے بعد اس اختیار کے مالک ہو سکتے ہیں گو ایک پہلو سے یہ بات بھی درست قرار دی جا سکتی ہے مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکمیت کا عدالتی تقرر بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ فیصلے کے مجاز و مختار کر دیئے گئے ہیں کیونکہ لفظ حکمین میں تفویض اختیار کا مفہوم آپ سے آپ ظاہر ہے۔ اس باب میں حکمین کا فیصلہ دراصل عدالت ہی کا فیصلہ ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔ امام راغب اصفہانی نے حکم کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''حکم (منصف) یا حاکم کو کہتے ہیں اور حکم، حاکم
سے زیادہ بلیغ ہے اور آیت میں حاکماً کی بجائے
حکماً کہنے سے اس امر کی آگہی مقصود ہے کہ دو حکم
مقرر کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں تفصیلات
کی جانب مراجعت کیے بغیر اپنی صوابدید کے
مطابق فیصلہ کریں خواہ وہ فیصلہ زوجین کی مرضی
کے موافق ہو یا مخالف''۔(۸)

اور مفتی احمد یار خان نعیمی نے لکھا ہے کہ:

''حاکم عام فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں حکم خاص فیصلہ کرنے والے کو جسے اردو میں پنچ کہتے ہیں''۔(۹)

حکم کے لفظ کو ہمارے اردو مترجمین نے مختلف لفظوں میں نمایاں کیا ہے۔ اکثر مترجمین نے منصف اور پنچ کا لفظ استعمال کیا ہے تاہم غلام احمد پرویز نے حکم کا ترجمہ ثالث سے کیا ہے اور وارث سرہندی نے علمی اردو لغت میں ثالث کے معنی منصف اور پنچ لکھ کر تینوں کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا ہے۔ محمد علی نے اس کا ترجمہ فیصلہ کرنے والے سے کیا ہے۔ جب کہ اشرف علی تھانوی نے حکم اسے قرار دیا ہے جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو اور ہمارے بعض مترجمین نے حکم کو حکم ہی رہنے دیا ہے، اسے کسی دوسرے لفظ سے واضح نہیں کیا ہے مثلاً عبدالماجد دریا بادی، ابو الاعلیٰ مودودی اور ذیشان حیدر جوادی وغیرہ۔

مقصود کلام یہ کہ ''حکم'' کا لفظ اپنے متعدد تراجم سے ایک ہی حقیقت کا پتہ دے رہا ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ حکم فیصلہ کی مجاز اتھارٹی کا نام ہے۔ بلکہ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی (متوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

''امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ
حاکموں کے فیصلے کے لیے زوجین کی رضا کی بھی
ضرورت نہیں ہے''۔(۱۰)

اور جسٹس تنزیل الرحمٰن نے لکھا ہے کہ ''اگر فریقین میں ناچاقی ہو تو اس کا فیصلہ کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور خلع کرنا چاہیے کہ کوئی تیسرا شخص ہی کرسکتا ہے اور ایسی صورت میں خلع عدالت کے ذریعے کرایا جاسکتا ہے''۔

ذرا آگے چل کر لکھا ہے:

''ایک مشہور مقدمہ بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرم (پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء لاہور، ۵۶۶) میں فاضل ججان جسٹس شبیر احمد، جسٹس بی زیڈ کیکاؤس اور جسٹس مسعود احمد صاحبان نے یہ قرار دیا کہ اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بیوی سے مناسب معاوضہ دلوا کر)خلع کرا سکتی ہے یہ نقطہ نظر صحت پر مبنی ہے اور اسی نقطہ نظر کو سپریم کورٹ (پاکستان) نے بمقدمہ خورشید بیگم اختیار کیا ہے۔ (پی ایل ڈی ۱۹۷۶ء، سپریم کورٹ، صفحہ ۹۷)(۱۱)

ہمارا مدعا اختصاراً یہ ہے کہ اگر کوئی عورت خلع کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کو اس کا حق دلائے یعنی اسے اس کے شوہر سے لازماً آزاد کرائے۔ ذخیرہ روایات میں ہمیں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس میں عورت کو اس کے مطالبہ خلع پر شوہر سے آزاد نہ کرایا گیا ہو، کیونکہ خلع کا قانون جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے یہ علیحدگی، جدائی اور مفارقت ہی اس کا جوہری تقاضا ہے

اس لیے خلع کے معاملات میں ضروری ہے کہ عدالت شوہر کو بلوائے اور اسے طلاق دینے کا حکم دے، اگر شوہر عدالتی حکم کے تحت اپنی عورت کو چھوڑ دے تو فبہا وگرنہ عدالت اپنا حق استعمال کرتے ہوئے دونوں کے مابین تفریق کرا دے۔

یہاں اس امر کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ خلع بالبدل بھی ہوسکتا ہے اور بلا بدل بھی۔ اسی طرح بدل کو قرآن کریم نے "فیما افتدت بہ" کے الفاظ سے اور بدل کے لین دین کو ''فلا جناح علیھما'' کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، یہی وہ بدل ہے جس کی وجہ سے خلع میں شوہر کی رضامندی قطعاً ضروری نہیں ہے بلکہ شوہر کا عدالت میں نہ آنا ہی اس امر کو مستلزم ہے کہ خلع بلابدل واقع ہو اور یہی حال تنسیخ نکاح کا ہے کیونکہ یہ وہ عدالتی اختیار ہے جو شوہر کی رضامندی کے حصول میں ناکامی کے بعد استعمال کیا جاتا ہے اور یہی وہ اختیار ہے جس کی رو سے ستم رسیدہ عورت کو اس کے شوہر سے علیحدگی کی ضمانت فراہم ہوتی ہے، اگر عدالت کو اس حق سے محروم کر دیا جائے تو خود سوچئے کہ پھر عورت کی دادرسی کس طرح ممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ اپنے شوہر کے پنجۂ ظلم وستم سے کبھی آزاد نہ ہوسکے گی۔ اس لیے ہمارے نزدیک خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا فیصلہ کن کردار تسلیم کرنا ہی شرعاً وعقلاً ہر دو اعتبار سے ضروری بلکہ انتہائی ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱- البحر الرائق، ج۳، ص ۱۵۱، علامہ ابن نجیم، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، جلد۴، ص ۷۷

۲- بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۶۸، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ھ

۳- فتح القدیر، ج۵، ص ۳۶۸-۳۶۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

۴- کشف الغمہ، ج ۲، بحوالہ حقوق الزوجین، ص ۶۶، سید ابوالاعلیٰ مودودی

۵- الصحیح البخاری، الجلد الثانی، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ۔

۶- الصحیح البخاری، باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرہ

۷- تدبر قرآن، ج ۲، ص۲۹۴، تفسیر زیر آیت النساء ۳۵

۸- المفردات فی غریب القرآن، کتاب الحا، نور محمد تجارت کتب، کراچی (س۔ن)

۹- اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی، ج ۵، ص ۶۴، مکتبہ اسلامیہ لاہور۔

۱۰- زاد المنیر، ج۲، ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۴۰۷ھ

۱۱- مجموعہ قوانین اسلام، جلد دوم، ص ۵۹۲ تا ۵۹۷، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد طبع سوم ۱۹۸۴ء

© rasailojaraid.com